علامہ محمد اسد (حال مقیم مراکش)

ترجمہ:۔ محمد معین خان بی اے (عثمانیہ)

مسلمان اور مسئلہ تعلیم

مغربی طرز تعلیم کے اثرات

مسلمان جب تک مغربی تہذیب پر اس اعتبار سے نظر جمائے رہیں گے کہ گویا یہی وہ واحد قوت ہے جو ان کی اپنی جامد تہذیب کے عروق مردہ میں خون زندگی دوڑائے گی، اس وقت تک وہ اپنی خود اعتمادی کی بنیاد کو اپنے ہی ہاتھوں برباد کرتے رہیں گے اور بالواسطہ طور پر مغرب کے اس دعویٰ کی حمایت کرتے رہیں گے کہ اسلام ایک "درماندہ قوت" ہے۔

اسلام اور مغربی تہذیب چونکہ قطعی متضاد و متبائن تصوراتِ حیات پر مبنی ہیں۔ اس لئے ان کے انداز فکر و نظر میں کوئی موافقت پیدا ہی نہیں ہوسکتی۔ جب صورت حال یہ ہو تو ہم یہ کیسے توقع کر سکتے ہیں کہ مسلم نوجوان کو دی جانے والی مغربی طرز کی تعلیم جو بالکلیہ یورپی ثقافت کے اقدار و نظریات و تجربات پر مبنی ہوتی ہے۔ اسلام دشمن موثرات سے پاک و مبرا رہ سکے گی؟

اگر ہم ایسی توقع کریں بھی تو ہماری یہ توقع قطعاً حق بجانب نہیں ہوسکتی۔ ان مستثنیات سے قطع نظر جن میں ایک نہایت ہی غیر معمولی ذکی و طباع ذہن کسی اجنبی تعلیم کے مضرات سے مغلوب نہیں ہوتا۔ یہ امر یقینی ہے کہ مغربی طرز تعلیم حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے نام لیوا مسلم نوجوانوں کے تعلق ایمانی کو مسمار کر دے گی اور ان کے اس تصور کے پرخچے اڑا دے گی کہ وہ اسلام کی مخصوص دینی تہذیب کے نمائندے ہیں۔ اس بات میں ذرا بھی شبہ نہیں کیا جاسکتا کہ جن "دانشوروں" نے مغربی طرز پر تعلیم پائی ہے ان کا رہا سہا مذہبی عقیدہ بھی روز بروز نسیاً منسیاً ہوتا چلا جارہا ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اسلام نے ایک عملی مذہب کی حیثیت سے اپنی سالمیت کو غیر تعلیمیافتہ طبقات میں محفوظ و مامون کر لیا ہے۔ تاہم یہ بالعموم دیکھنے میں آیا ہے کہ مغرب زدہ دانشورو ں

کے مقابلہ میں غیر تعلیمیافتہ افراد کی طرف سے اسلام کی آواز پر لبیک کی صدائیں زیادہ جوش وخروش کیساتھ بلند ہوتی ہیں۔ دانشوروں کی اس مذہبی دوری کی توجیہہ یہ نہیں ہے کہ مغربی سائنس نے جس کی ان لوگوں کو تعلیم دی گئی ہے، ہماری مذہبی تعلیمات کی سچائی کے خلاف کوئی معقول دلیل و بُرہان قاطع پیش کر دی ہے بلکہ بات یہ ہے کہ جدید مذہبی تہذیب کا ذہنی ماحول اس شدت کے ساتھ مذہب دشمن واقع ہوا ہے کہ وہ مسلمانوں کی نئی پود کی مذہبی توانائیوں پر خبیث عفریت کیطرح مسلط ہو جاتا ہے۔

ایسا تو شاذ ہی ہوتا ہے کہ کفر و ایمان صرف دلیل و حجت کی بنا پر دلوں میں جاگزیں ہوتے ہوں کبھی کبھی یہ وجدان یا مثلاً ادراک و بصیرت کے راستے دلوں میں اترتے ہیں لیکن اکثر صورتوں میں انہیں قلب انسانی میں منتقل کرنے والا ذریعہ خود انسان کا ثقافتی ماحول ہوتا ہے۔ ایک ایسے بچہ کی مثال لیجئے جسے ابتدائی عمر ہی سے پکے راگ سننے کی باقاعدہ تربیت دی جاتی ہے۔ اس کے کان لے، سُر اور آہنگ میں تمیز کرنے کے عادی ہوتے چلے جاتے ہیں اور بڑا ہو کر وہ اگر خود پکے راگ گانے کا اہل نہ بھی بنے تو کم از کم انتہائی دشوار قسم کی موسیقی کو سمجھنے کا اہل ضرور بن جاتا ہے لیکن ایک ایسا بچہ جسے اپنی ابتدائی عمر میں موسیقی جیسی کوئی چیز سننے کا کبھی اتفاق ہی نہ ہوا ہو تو وہ بڑا ہو کر موسیقی کی مبادیات کی خوبیوں کو بھی سمجھنے کے قابل نہیں ہو سکے گا۔ یہی حال مذہب کے ساتھ ارتباط و تعلق کا بھی ہے۔ جس طرح فطرت بعض افراد کو موسیقی کے معاملہ میں گوش شوق کی نعمت سے یکسر محروم کر دیتی ہے، اسی طرح دنیا میں ایسے افراد بھی پائے جاتے ہیں جن کے کان مذہب کی آواز کے معاملہ میں بالکل بہرے ہوتے ہیں لیکن نوعِ بشر کی اکثریت کے حق میں کفر و ایمان کا فیصلہ وہ ماحول کرتا ہے جس میں اسے نشو و نما ملتی ہے۔ اسی لئے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:۔

ما من مولود الا یولد علی الفطرۃ فابواہ یھودانہ او ینصرانہ او یمجسانہ (صحیح بخاری)

"ہر بچہ پاکیزہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے لیکن اس کے ماں باپ اسے یہودی یا نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔"

اس حدیث میں "ماں باپ" کی جو اصطلاح استعمال ہوئی ہے اس کو منطقی اعتبار سے عام ماحول، خاندانی زندگی اور معاشرہ وغیرہ پر بھی پھیلایا جا سکتا ہے۔ جس سے بچہ کی ابتدائی نشو و نما متعین و مشخص ہوتی ہے۔ اس بات سے تو قطعی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ موجودہ دور انحطاط میں کئی مسلم گھرانے ایسے ملیں گے جن کا مذہبی ماحول اس قدر پست اور ذہنی اعتبار سے اتنا زبوں ہوتا ہے کہ پروان چڑھتے ہوئے نوجوانوں کو یہ ماحول سب سے پہلے اپنے ہی مذہب سے روگرداں ہو جانے کی ترغیب دیتا ہے۔ قرینہ تو یہی کہتا ہے کہ صورت ایسی ہی کچھ ہے لیکن ان

صورتوں میں جہاں مسلم نوجوانوں کو مغربی طرز پر تعلیم دی جا رہی ہو، اس کا نتیجہ یقیناً یہی برآمد ہوگا کہ یہ نوجوان آگے چل کر مذہب دشمن رویہ اختیار کر بیٹھیں گے۔

اب یہاں ایک بڑا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جدید آموزش کے بارہ میں ہمارا طرز عمل کیا ہونا چاہیئے؟ مسلمانوں کو مغربی تعلیم دینے کے خلاف احتجاج کرنے کے معنی ہرگز یہ نہیں ہو سکتے کہ اسلام تعلیم ہی کا مخالف ہے۔ ہمارے مخالفوں نے اسلام پر جو اس قسم کا الزام تھوپا ہے اس کی نہ تو کوئی فقہی بنیاد ہے اور نہ تاریخی قرآن مجید تو اس قسم کے بیانات سے بھرا پڑا ہے "تاکہ تم سمجھ دار بن جاؤ"، "تاکہ تم سوچو"، "تاکہ تم جانو"۔ قرآن مجید کے شروع میں یہ ارشاد ملتا ہے۔

وعلم آدم الاسما كلها (۳:۲)

اور اس نے آدم کو سارے اسماء سکھا دیئے۔

اور اس کے بعد کی آیات یہ بتلاتی ہیں کہ ان "اسماء" کے علم کی بدولت انسان کو ایک اعتبار سے فرشتوں پر بھی فضیلت حاصل ہوگئی۔

اسماء دراصل قوتِ توضیح اصطلاحات کے اشاراتی مظہر ہیں۔ فکر و ادراک کی وہ قوت جو انسان کے لئے مختص ہے اور جو قرآن مجید کے ارشاد کے بموجب اس کو زمین پر خلیفۃ اللہ کے منصب کا اہل بناتی ہے، اپنی فکر سے ایک قاعدہ کے مطابق کام لینے کے لئے انسان پر لازم ہے کہ وہ تعلیم حاصل کرے اور اسی لئے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

من سلك طريقاً يلتمس فيه علماً سهل الله له طريقاً الى الجنة

"جو علم کی جستجو میں راستہ طے کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس لئے جنت کا راستہ آسان کر دیتا ہے" (صحیح بخاری)

ان فضل العالم على العابد كفضل القمر ليلة البدر على سائر الاكواب

"ایک عالم کو عابد پر ایسی ہی فضیلت حاصل ہے جیسی کہ بدرِ کامل کو کواکب پر۔

(مسند ابن حنبل، جامع الترمذی، سنن ابوداؤد، سنن ابن ماجہ، سند الدارمی)

لیکن تحصیل علم کے بارہ میں اسلامی رویہ کی مدافعت کے لئے قرآنی آیات یا احادیث نبویؐ کے حوالوں کی چنداں ضرورت نہیں کیونکہ خود تاریخ پورے وثوق کے ساتھ یہ ثابت کر رہی ہے کہ روئے زمین پر کسی مذہب نے اسلام کے برابر سائنسی ترقی کی، تحریک و تشویق کا سامان مہیا نہیں کیا۔ بنو امیہ، بنو عباس اور ہسپانیہ کی

اسلامی حکومت کے زمانوں میں جو نہایت شاندار ثقافتی کارنامے انجام پائے ہیں وہ اس حوصلہ افزائی کا نتیجہ ہیں جو سائنسی تحقیقات کو اسلامی فقہ سے ملی تھی۔ یورپ اس حقیقت سے یقیناً بخوبی آگاہ ہوگا کیونکہ خود اس کی ثقافت پر اسلام کے جو احسانات ہیں وہ ان احسانات سے کسی طرح کم نہیں ہیں جو صدیوں کی جہالت کے بعد نشاۃ ثانیہ نے اس پر کئے ہیں۔ لیکن ذکر احسان سے ہمارا مقصود یہ نہیں ہے کہ ہم ایسے وقت میں ان عظیم الشان یادوں پر فخر کریں جب کہ دنیائے اسلام خود اپنی روایات فراموش کر چکی ہے اور بے بصری اور عقلی افلاس کے گڑھے میں جا گری ہے۔ ہمیں کوئی حق نہیں پہنچتا کہ موجودہ مسکنت اور پستی میں اپنی عظمت ہائے رفتہ کی ڈینگیں ماریں بلکہ ہم پر تو یہ فریضہ عائد ہوتا ہے کہ ہم اس بات کو اچھی طرح سے محسوس کر لیں کہ یہ مسلمانوں ہی کی غفلت شعاری تھی نہ کہ خود اسلامی تعلیمات کی کوئی خامی جس نے ہمیں تنزل و انحطاط کے اس درک اسفل میں دھکیل دیا۔

اسلام نے سائنس کی ترقی کی راہ میں کبھی روڑے نہیں اٹکائے۔ اسلام تو انسان کی ان تمام ذہنی سرگرمیوں کو وقعت کی نگاہ سے دیکھتا ہے جو اسے مرتبہ میں فرشتوں سے بھی بالا کر دیں۔ دنیا کے کسی مذہب نے شعور و عقل اور نتیجۃً تحصیل علم کو زندگی کے دیگر مظاہر پر اس شدومد کے ساتھ ترجیح نہیں دی۔ اگر ہم اسلام کے اصولوں کی پیروی کریں تو ہمارے دل میں جدید علوم کی تحصیل کو اپنی زندگی کے دائرہ سے خارج کر دینے کا قطعاً کوئی خیال پیدا نہیں ہو سکتا۔ ہمیں بے شک علم حاصل کرنے اور ترقی کی منزلوں پر منزلیں مارنے اور معاشی و سائنسی اعتبار سے مغربی اقوام کی طرح کارہائے نمایاں کرنے کی ضرور آرزو کرنی چاہیئے لیکن ساتھ ہی ساتھ یہ بات بھی خوب ذہن نشین رہنی چاہیئے کہ ہم مغرب کی آنکھ سے دیکھنے اور مغرب کے دماغ سے سوچنے کی آرزو ہرگز نہ کریں۔ اگر ہم دنیا میں مسلمانوں کی حیثیت سے زندہ رہنا چاہتے ہیں تو ہمیں چاہیئے کہ ہم اسلام کی روحانی ثقافت کو مغرب کے مادہ پرستانہ تجربات سے بدلنے کی قطعاً آرزو نہ کریں۔

علم فی نفسہٖ نہ تو مغربی ہے نہ مشرقی! یہ ایسا ہی آفاقی ہے جیسے حقائق فطرت۔ لیکن زاویہ نظر جس سے حقائق دیکھے اور پیش کئے جاتے ہیں۔ قوموں کے ثقافتی مزاج کے بموجب بدلتا رہتا ہے۔ اس حیثیت سے علم حیوانات ہو کہ علم نباتات یا علم طبعیات، اپنی اصل و غایت کے اعتبار سے نہ تو مادہ پرستانہ ہیں اور نہ روحانی۔ ان علوم کا تعلق تو حقائق کے مشاہدہ اجماع اور تعریف اور ان حقائق سے عام ضابطوں کے استنباط سے ہے۔ لیکن ان سے، یعنی فلسفہ و سائنس سے — ہم جو استقرائی فلسفیانہ نتائج استنباط کرتے ہیں وہ محض حقائق و مشاہدات پر مبنی نہیں ہوتے بلکہ وہ بہت حد تک زندگی اور اس کے مسائل کے بارہ میں ہمارے

مزاجی یا وجدانی رویّہ سے بھی اثر پذیر ہوا کرتے ہیں۔ جرمنی کے عظیم فلسفی کانٹ کا قول ہے کہ :۔

"ہماری عقل اپنے نتائج فطرت سے اخذ نہیں کرتی بلکہ انہیں فطرت کے لئے تشخیص کرتی ہے۔ یہ بات بظاہر ایک عجوبہ سی لگتی ہے لیکن واقعتاً ہوتا ایسا ہی ہے"۔

مختصر یہ کہ اس سلسلہ میں جو چیز اہمیت رکھتی ہے وہ صرف ایجابی زاویۂ نگاہ ہے۔ کیونکہ ہم معروض کی جو تشریح کرتے ہیں اس کو ہمارا زاویہ نگاہ سر تا پا بدل سکتا ہے۔

اس طرح نہ سائنس فی نفسہٖ مادہ پرستانہ ہے اور نہ روحانی یہ ہمیں کائنات کی بے انتہا انتشار پذیر تشریحات کی ڈگر پر ڈال دیتی ہے ۔ یعنی ایسی تشریحات جو ہمارے رجحان کے بموجب روحانی بھی ہو سکتی ہیں اور مادہ پرستانہ بھی۔ مغرب اپنی بے انتہا نتھری ہوئی عقلیت پسندی کے باوصف مادہ پرستانہ رجحان کا حامل ہے۔ اس لئے وہ اپنے تصورات اور بنیادی مفروضات کے اعتبار سے مذہب دشمن ہے۔ بریں بنا مغربی نظام تعلیم کا بھی بالجملہ مذہب دشمن ہونا ایک لازمی امر ہے۔ دوسرے الفاظ میں اسلام کی ثقافتی صداقت کے لئے جو چیز مضرت رساں ہے وہ جدید تجربی علوم کا مطالعہ نہیں بلکہ مغربی تہذیب کی روح ہے جس کے وسیلہ سے مسلمان ان علوم تک رسائی حاصل کرتے ہیں۔

یہ ہماری کتنی بڑی بدنصیبی ہے کہ خود ہم اپنی ہی بے التفاتی اور غفلت شعاری کے ہاتھوں سائنسی تحقیقات کے معاملہ میں علم کے مغربی ماخذوں کے محتاج بن گئے ہیں۔ اگر ہم نے اسلام کے اصولوں کی ہمیشہ پیروی کی ہوتی جن کی رُو سے ہر مسلمان پر تحصیل علم کا فریضہ عائد ہوتا ہے تو ہم جدید علوم کے لئے آج مغرب کی طرف یوں نظریں اٹھا اٹھا کر نہ دیکھتے جیسے ریگستان میں شدت تشنگی سے جاں بلب آدمی افق پر سراب کی جانب دیکھتا ہے۔ مسلمان چونکہ ایک عرصۂ دراز سے خود اپنے ممکنات سے غفلت برتتے رہے۔ اس لئے وہ جہالت و افلاس میں جا گرے۔ درآں حالیکہ یورپ جرأت مندی سے آگے ہی آگے قدم بڑھاتا چلا گیا۔ اس فرق و اختلاف کو پاٹنے کے لئے ایک طویل عرصہ درکار ہوگا۔ اس وقت تک ہمیں جدید علوم کو مجبوراً مغربی طریق تعلیم کی وساطت سے قبول کرنا ہوگا۔

اس کا مطلب صرف یہی ہے کہ ہم صرف سائنسی مواد و منہاج (SCIETIFIC MATTER & METHOD) اخذ و قبول کریں گے اور اس کے علاوہ اور کوئی چیز نہیں۔ دوسرے الفاظ میں مغربی علوم قطعیہ کا مطالعہ کرنے سے ہم بالکل ہی نہ ہچکچائیں۔ البتہ مسلم نوجوانوں کی تعلیم میں مغربی فلسفہ کے کسی بھی جز و

کو ہرگز ہرگز راہ پانے نہ دیں۔ سوال یہ پیدا ہو سکتا ہے کہ اس وقت بہت سے علوم قطعیہ مثلاً جوہری طبیعیات خالص تجربی تحقیق و تفحص کی سرحدوں کو عبور کر کے فلسفہ کے میدانوں میں داخل ہو چکے ہیں۔ لہٰذا کئی صورتیں ایسی ہیں جن میں تجربی سائنس اور قیاسی فلسفہ کے مابین خطِ امتیاز کا کھینچنا انتہائی دشوار ہے۔ یہ ایک طرف تو بالکل صحیح ہے لیکن دوسری طرف ٹھیک یہی وہ مقام ہے جہاں ثقافت اسلامیہ کو اپنا وجود از سر نو منوانا ہوگا۔ یہ مسلم سائنسدانوں کا فرض ہے کہ جب وہ ایک مرتبہ سائنسی تفحص کے آخری کنارہ پر پہنچ جائیں تو اس وقت مغرب کے فلسفیانہ نظریات سے دامن جھاڑ کر خود اپنے ہی یعنی اسلامی نظر و فکر سے ایسے ایسے نتائج استنباط کر جائیں جو مغربی سائنسدانوں کی اکثریت کے استنباط کردہ نتیجوں سے بالکل مختلف ہوں۔ مستقبل میں خواہ کچھ ہی پیش آئے، مغرب کے ذہنی رویہ کے آگے غلامانہ سر تسلیم خم کیے بغیر سائنس کا سیکھنا اور سکھانا آج بھی ممکن ہے۔ آج دنیائے اسلام کو جس چیز کی فوری اشد ضرورت ہے وہ کسی نئے فلسفیانہ نظریہ کی نہیں بلکہ صرف جدید فنی اور سائنسی ساز و سامان کی ضرورت ہے۔

اگر ہمیں ایک ایسی مثالی مجلسِ تعلیم کے آگے جو صرف اسلامی ملحوضات کے تابع ہوتی، اپنی تجاویز پیش کرتے تو ہم اس امر پر بہت زور دیتے کہ مسلم اسکولوں میں مغرب کی تمام ذہنی تحصیلات کے منجملہ صرف علوم فطرت اور ریاضی کی تعلیم دی جائے اور ان اسکولوں کے تعلیمی نصاب میں آج جو برتری یورپی فلسفہ ادب اور تاریخ کی تدریس کو حاصل ہے وہ یک قلم موقوف کر دی جائے۔ ہماری اس تجویز سے یورپی فلسفہ کے بارہ میں ہمارے رویّہ کی پوری پوری وضاحت ہو جاتی ہے، رہا یورپی ادب اس کو بھی نظر انداز نہ کیا جائے۔ لیکن اتنی بات ضرور ہونی چاہیئے کہ اس ادب کو اس کے اپنے صحیح فلسفیانہ موقف کی طرف لوٹا دیا جائے۔ اس وقت مسلم ممالک میں جس انداز سے یہ ادب پڑھایا جا رہا ہے وہ تعصب و جانبداری سے مبرا نہیں ہے۔ یورپی ادب کی اقدار کے بارہ میں جو بے پناہ مبالغہ آرائی کی گئی ہے اس کا قدرتی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ یہ مبالغہ خام و ناپختہ ذہنوں کو مغربی تہذیب کی روح کو، قبل اس کے کہ وہ اس روح کے سلبی پہلوؤں کو اچھی طرح سمجھنے کے اہل بن سکیں، پورے طور پر اخذ و قبول کرنے پر مائل کر لیتا ہے۔ اس طرح مغربی تہذیب کے ساتھ نہ صرف ایک افلاطونی محبت کا میدان ہی تیار ہو جاتا ہے بلکہ اس تہذیب کی عملی تقلید —— جو روح اسلام کے منافی ہے —— کے لیے راہیں بھی ہموار ہو جاتی ہیں۔ اسلامی ثقافت کے تعمق و ثروت کو طلبا کے ذہن نشین کرانے اور اس کے مستقبل کے بارہ میں طلباء کے دلوں میں امید کی ایک نئی جوت جگانے کی غرض

سے یہ نہایت ضروری ہے کہ مسلم اسکولوں میں جو حیثیت اس وقت یورپی ادب کو حاصل ہے وہ ایک معقول اور متمیز اسلامی ادب کے حوالہ کر دیا جائے۔

اگر یورپی ادب کی تعلیم جس صورت میں کہ وہ آج متعدد مسلم اداروں میں مروج ہے مسلم نوجوانوں کو اسلام سے توڑ لیتی ہے، تو یہی بات اس سے بھی کہیں زیادہ تاریخ عالم کی یورپی تشریح پر بھی صادق آتی ہے۔ اس تشریح میں" رومی بمقابلہ وحشی" کا قدیم انداز خود یورپ ہی کا انداز ہو گیا ہے۔ اہل یورپ کی طرف سے تاریخ کی پیش کش کا مقصد (مقصد کو تسلیم کئے بغیر) یہ ثابت کرنا ہوتا ہے کہ یورپی اقوام اور ان کی تہذیب ہر اس چیز سے ارفع و اعلیٰ ہیں جو اس دنیا میں پیدا کی گئی ہے یا پیدا کی جا سکتی ہے۔ چنانچہ اس سے مابقی دنیا میں اہلِ یورپ کی جستجوئے اقتدار کو ایک طرح کا اخلاقی جواز مل جاتا ہے۔ اہلِ رومہ کے زمانہ میں سے یورپی اقوام مشرق و مغرب کے باہمی اختلافات کو ایک مفروضہ" یورپی معیار" کے نقطۂ نظر سے دیکھنے کی عادی چلی آ رہی ہیں۔ ان کا استدلال اس مفروضہ پر عمل کئے جاتا ہے کہ نوعِ بشر کی نشو و فروغ کا اندازہ صرف یورپ کے ثقافتی تجربات کی بنیاد ہی پر کیا جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس قسم کے تنگ زاویۂ نظر سے جو بھی تناظر پیدا ہو گا، وہ لازماً ٹیڑھا میڑھا اور اصلیت سے بعید ہو گا۔ یورپی نقطۂ نظر کی وجہ اساس سے خطوط مشاہدہ جتنی دور پیچھے ہٹتے چلے جائیں گے اہل یورپ کے تاریخی معروضات کو ان کے اصلی رنگ و روپ میں استدراک کرنا اتنا ہی دشوار ہو جاتا ہے۔

اہل یورپ کے اس انا مرکزی (EGO CENTRIC) رویہ کے باعث انکی توصیفی تاریخ عالم (DISCRIPTIVE HISTORY OF THE WORLD) حال تک فی الحقیقت مغرب کی مطول تاریخ (ENLARGED HISTORY OF THE WEST) کے سوا کچھ نہ تھی۔ اس تاریخ میں غیر یورپی قوموں کا تذکرہ صرف اس صرف حد تک روا رکھا جاتا ہے جس حد تک ان قوموں کے وجود و فروغ یورپ کے مقدرات پر براہ راست اثر انداز ہوتے تھے۔ اس کی مثال ایسی ہی ہے کہ آپ یورپی اقوام کی تاریخ کا نقشہ شرح و بسط کے ساتھ اور صاف اور واضح رنگوں میں کچھ اس انداز سے کھینچیں کہ مابقی اقطاعِ عالم کی صرف دو چار جھلکیاں دکھانے پر اکتفا کر جائیں۔ اس تاریخ کو پڑھ کر بے چارہ قاری اس التباس میں مبتلا ہو جائے گا کہ سماجی اور ذہنی اعتبار سے یورپ کے کارناموں کی عظمت اتنی ہی بلند ہے کہ باقی دنیا کے کارناموں کو ان سے کوئی نسبت ہی نہیں ہو سکتی اور اس سے قریب یہ بھی ظاہر ہونے لگے گا کہ دنیا کی تخلیق محض یورپ اور اس کی تہذیب ہی کی خاطر عمل میں لائی گئی ہے اور دیگر اقوام اور تہذیب کی تخلیق کی غرض و غایت ہی یہی تھی کہ وہ عظمتِ یورپ کے لئے ایک مناسب ماحول پیدا کریں۔

غیر یورپی جوانوں کے ذہنوں پر اس قبیل کی تواریخی تربیت کا صرف یہی اثر پڑ سکتا ہے کہ وہ خود اپنی ہی ثقافت، اپنے ہی تاریخی ماضی اور اپنے ہی مستقبل کے بارہ میں ایک احساس کمتری میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح ان نوجوانوں کو اپنے ہی مستقبل سے حقارت کرنے کی باقاعدہ تعلیم و تربیت دی جاتی ہے۔

ان مذموم و مہلک اثرات کے سدباب کے لئے فکر اسلامی کے راہنماؤں کو چاہیئے کہ وہ مسلم اداروں میں تعلیم و تربیت کے طریق و اسلوب کو از سر نو ترتیب دینے کی امکان بھر کوشش کریں۔ بلاشبہ یہ ایک مشکل کام ہے جو اس امر کا متقاضی ہے کہ مسلم نقطۂ نگاہ کے بموجب ایک جدید تاریخ مدون ہونے سے پہلے ہی ہمارے پورے نظام تدریسِ تاریخ کے ایک ایک کل پرزے کی خوب جانچ پڑتال کر لی جائے لیکن کام اگر مشکل ہے تو وہ ممکن بھی ہے اور نہایت اہم اور ناگزیر بھی۔ ورنہ نفرت اسلام کی زہریں لہروں سے ہماری نئی پود کے ذہنوں کی آبیاری کا سلسلہ یوں ہی چلتا رہے گا جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ہمارے نوجوان کا احساس کمتری زیادہ سے زیادہ شدید ہوتا چلا جائے گا۔ بلاشبہ اس احساس کمتری کو اس طرح قابو میں لایا جا سکتا ہے کہ مسلمان مغربی ثقافت کو بہ تمام و کمال اخذ و جذب کر لیں اور اپنی زندگی کی حدود سے اسلام کو نکال باہر کرنے پر آمادہ و تیار ہو جائیں لیکن کیا مسلمان ایسا کرنے پر آمادہ ہو سکتے ہیں؟

ہمارا یہ ایقان ہے اور مغرب کے حالیہ واقعات ہمارے اس ایقان کی توثیق کرتے ہیں کہ اسلام کی اخلاقیات اس کے سماجی اور شخصی اخلاق معدلت و حریت کے تصورات مغربی تہذیب کے متقابل تصورات و خیالات کی بہ نسبت بے انتہا اعلیٰ و اکمل ہیں۔ اسلام نے نسلی نفرت کا قلع قمع کر دیا اور انسانی اخوت و مساوات کی راہیں کھول دیں لیکن مغربی تہذیب ہنوز اس قابل نہیں ہے کہ نسلی اور قومی عداوتوں کے تنگ و تاریک افق کے پار دیکھ سکے۔ اسلام کے معاشرہ کے اندر آج تک طبقات اور طبقاتی جنگ کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔ لیکن اس کے برخلاف یونان اور روم سے لے کر ہمارے زمانہ تک کی ساری یورپی تاریخی طبقاتی کشمکش اور سماجی نفرت سے بھری پڑی ہے۔ اس امر کا بار بار اعادہ ہونا چاہیئے اور پورے شد و مد کے ساتھ ہونا چاہیئے کہ صرف ایک ہی چیز ایسی ہے جو مسلمان مغرب سے سود مندانہ طریقہ سے سیکھ سکتے ہیں اور وہ ہے علوم قطعیہ اپنی خالص اور اطلاقی صورت میں۔ لیکن یہ امر ذہن نشین رہے کہ باہر سے حصولِ علوم کی یہ ضرورت کسی مسلمان کو ہرگز یہ ترغیب دینے نہ پائے کہ وہ مغربی تہذیب کو اپنی تہذیب کے مقابلہ میں برتر و فائق سمجھے۔ ورنہ ایسا مسلمان اسلام کے مقصد و منہاج سے قطعاً بے بہرہ ہوگا۔ کسی ثقافت یا تہذیب کو دوسری ثقافت یا تہذیب پر جو فوقیت حاصل ہوتی ہے وہ مادی علوم کے وسیع ذخیرہ کی ملکیت پر مشمول نہیں ہوتی بلکہ وہ مشمول ہوتی ہے اس تہذیب یا ثقافت کی اخلاقی توانائی پر، حیات انسانی کے تمام پہلوؤں کی تشریح و تربیت کے

وسیع تر امکان پر اور اس باب میں اسلام کو دیگر تمام ثقافتوں پر فوقیت حاصل ہے۔ ضرورت تو صرف اسلام کے احکام کے اتباع کی ہے تاکہ اس کی بدولت ہم وہ سب کچھ حاصل کر سکیں جس کا حاصل کرنا نوعِ بشر کے امکان و استعداد میں ہے لیکن اگر ہم سچے دل سے اسلامی اقدار کو محفوظ رکھنا اور ان کو حیاتِ نو بخشنا چاہتے ہیں تو ہمیں چاہیئے کہ مغربی تہذیب کی تقلید کا سودائے خام یکسر اپنے دماغ سے نکال دیں۔ کیونکہ مغربی تہذیب کے ذہنی اثر سے جسدِ اسلام کو جو نقصان پہنچے گا وہ اس تہذیب کی تقلید سے حاصل ہونے والے نفع کے مقابلہ میں کہیں زیادہ بھاری ہوگا۔

سائنسی تحقیقات کے معاملہ میں جو غفلت مسلمانوں سے ماضی میں سرزد ہوئی ہے اس کی تلافی مغربی علوم کی بے قید و بند قبولیت سے ہرگز نہیں کی جا سکتی۔ ہماری تمام تر سائنسی پسماندگی اور افلاس کا اس مہلک اثر کے ساتھ کوئی مقابلہ ہی نہیں ہو سکتا جو مغربی طرزِ تعلیم کی اندھی تقلید کے ہاتھوں دنیائے اسلام کے مذہبی ممکنات پر پڑے گا۔ اگر ہم اسلام کی صداقت کو ایک ثقافتی عامل کی حیثیت سے محفوظ و مصئون رکھنا چاہتے ہیں تو ہمیں مغرب کے ذہنی ماحول سے ہر وقت اور ہر آن چوکنا رہنا ہوگا۔ جو ہمارے معاشرہ اور ہمارے رجحانات پر غالب و مستولی ہونے والا ہے۔ مغربی زندگی کے طور طریق اور وضع قطع کی تقلید کر کے مسلمان مغربی نظریۂ حیات کو آہستہ آہستہ اختیار کرنے پر مجبور ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ کیونکہ کسی چیز کی ظاہری تقلید کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہم رفتہ رفتہ اس چیز کے بارے میں دنیا کی رائے کو من و عن قبول کرتے چلے جاتے ہیں۔

اپیل

○ آل پاکستان اسلامک ایجوکیشن کانگرس ایک رجسٹرڈ ادارہ ہے۔

○ آل پاکستان اسلامک ایجوکیشن کانگرس وزارتِ تعلیم حکومتِ پاکستان کا منظور شدہ ادارہ ہے۔

○ آل پاکستان اسلامک ایجوکیشن کانگرس کے عطیات کی رقوم انکم ٹیکس سے مستثنیٰ ہیں آپ اپنے عطیات آل پاکستان اسلامک ایجوکیشن کانگرس کے نام نیشنل بنک آف پاکستان چوبرجی برانچ لاہور، اکاؤنٹ نمبر 2 4/A میں جمع کرائیں اور ادارہ ہذا کو اطلاع دے دیں۔

سیکرٹری آل پاکستان اسلامک ایجوکیشن کانگرس، ۱۷ فرینڈز کالونی ملتان روڈ لاہور